افکارِ سرسید کے تناظر میں ''تحریکِ تعلیمِ نسواں'' کا مابعد نو آ بادیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

ABSTRACT:

In the paper it is expressed to place sir sayyed as a social reformer in 19th. century colonial India.He established moderen educational institutions for the Muslim Youth of India.However he was not sypathetic for the formal education of Muslim girls.He thought it ll danmaging for traditional Muslim Society .His too younger associates Moulvi Mumtaz Ali of Lahore and Sheikh Abdullah of Ali Garh, went against him they issued women journels and advocatted for formal women education.As for as Sheikh Abdullah is concerend he established a women school in a rented house in Ali Garh.This resulted with awareness of women in political and social change.They joureyed from Purdah to Paliment.

انیسویں اور بیسویں صدی ہندوستانی مسلمان کے لیے تہذیبی، سیاسی اور سماجی تغیرات کی صدی تھی۔ان تمام تبدیلیوں کو ایک محکوم قوم کے لیے قبول کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔اس کی ایک وجہ فاتح سے مفتوح بننا اور دوسری وجہ انگریزوں کی وہ پالیسیاں تھیں جس کے تحت ہندوستانیوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص کمزور کرنے کی کو ششیں تھیں۔نو آبادکار اپنا نظام مضبوط کرنے کے لیے کبھی تعلیم کا سہارا لیتے تو کبھی سماجی فلاح و بہبود کے تصور کو بنیا د بنا کر عوام میں اپنا اثر و رسوخ مزید گہراکرنے میں مصروفِ عمل رہتے تھے۔اس دور کے مفکرین دو مختلف دھاروں میں بٹے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک قدیم روایات کا پاسبان بن کر ہر جدید رویے سے نالاں نظر آتے تھے تو دوسرے قدامت کے نام پر تاریخی اور تہذیبی رویے سے انکاری تھے۔اس طرح نظریات کا تصادم فطری عمل تھا۔انگریز سامراج نے اس جدید اور قدیم کے ٹکراؤ کو اپنے مفاد کے بآسانی استعمال کیا۔

''بر طانوی استعمار کی اس دو رخی چال کہ اس نے جدیدیت اور رجعت پسندی دونوں ہی کو اپنے مفاد کے تحت پالا، یہ آئین کے میدان میں واضح نظر آتی ہے۔، سال ۱۷۹۰ء میں ہندوستان میں انگریزی قوانین متعارف کروائے گئے، تا ہم نجی اور خاندانی معاملات سے متعلقہ شقوں میں عورتوں اور مردوں میں جنسی بنیادوں پر موجود تفریق کو برقرار رکھا۔رسمی اور مذہبی قوانین جو خواتین کو زیرِ دست رکھتے تھے انہیں تبدیل نہیں کیا گیا۔ وہ قوانین جو کواتین کو وراثت سے محروم رکھتے تھے انہیں بر طانوی راج میں بر قرار رکھا گیا۔ ۱۹۳۷ ء کے آ ئین میں مسلم خواتین کو وراثتی حق دیا گیا تا ہم زرعی زمین کو اس میں استثنا دیا گیا۔کیو نکہ اس کے لیے بر طانوی انتظامیہ اور پنجاب کے جا گیر دار میں

سمجھو تہ طے پا گیا تھاپرا ئیویٹ اور پبلک تفریق کو ناصرف بر قرار رکھا گیا بلکہ اس کو مضبوط کیا گیا۔ (۱(

اس دوران ایک بات قابلِ غورہے کہ اس سارے عمل میں اشرافیہ کی روایات اور طرز زندگی کا فی حد تک مغربیت کے زیرِ اثر نظر آ تا ہےلیکن صنفی اعتبار سے تجزیہ کریں تو یہ اثرات دوہرے معیارات کے حامل ہیں۔

مثلا مرد کے لیے تو یورپ کا سفر کرنا، مغربی تعلیم حاصل کرنا معیوب نہیں سمجھا جا رہا لیکن عورت کو بنیادی تعلیم تک کا حق حاصل نہیں۔جہاں عورت کی تعلیم یا اس کے حقوق کی بات آتی ہے تو وہاں جدید اور قدیم دونونمکاتبِ فکر عورت کو گھر کی چار دیواری میں پابند رکھنے کے قائل نظر آتے ہیں۔اس ضمن میں سر سید احمد خان کے افکار کا تجزیہ اہم ہے کیونکہ جدید تعلیم کے بانی، خواتین کے لیے بنیادی اسلامی تعلیم کو کافی سمجھتے ہو ئے انہیں قدیم طرزِ تعلیم کی تلقین کرتے ہیں۔(۲(

سر سید احمد خان، نو آ بادیاتی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہو ئے، یکسر بدلتی ہو ئی صورت ِ حال کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ بطورقوم وہ اپنی شناخت پھر سے قائم کر سکیں۔لیکن مسلمانوں کا ردِ عمل بھی اس ضمن میں غیر فطری نہ تھا کیونکہ جنگِ آزادی کے فوراَ بعد جس طرح مسلمانوں کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا اس سے ان کے اندر سلگتی نفرت کو اور بھی ہوا ملی۔اس لیے انہیں انگریزی نظامِ تعلیم کی طرف راغب کرنا آسان نہ تھا لیکن سر سید نے جدید مغربی تعلیم کی ناصرف حمایت کی بلکہ اس کے فروغ کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔"کمیٹی خواستگارترقی تعلیم مسلمانان"(۳)نے اسی دور میں اراکین کے درمیان ایک مباحثے کا التزام کیا تا کہ کمیٹی مسلمانوں کے لیے بہترین نظام ِ تعلیم کا ایک لائحہ عمل ترتیب دے سکے۔سر سید اس ضمن میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہو ئے کہتے ہیں کہ:

..."میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بری معلوم ہو گی...میں دیکھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہو تی ہے تو ان کی سعی ہمیشہ اسی بات پر مقصود ہو تی ہے کہ وہی پرا نا موروثی طریقہ تعلیم کا اور وہی ناقص سلسلہ نظامیہ درس کتب کا اختیا ر کیا جاتا ہے...وہ محض بے فائدہ اور محض لغو ہیں۔ان سے کسی بھی قومی فائدہ ہو نے کی توقع نہیں ہے--زمانہ اور زمانہ کی طبیعت اور علوم اور علوم کے نتائج سب تبدیل ہو گئے ہیں۔ "(۴(

وہ جدید تعلیم اور قدیم طرزِ تعلیم کے فرق کو واضح کرتے ہو ئے مفید اور غیر مفید علوم پر بڑی تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ مزید براں اپنے مؤقف کی وضاحت اس طور کرتے ہیں کہ"جو تعلیم کہ حسبِ احتیاج ِ وقت نہ ہو، وہ غیر مفید ہے...مفلسی کا اصل سبب جہل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں۔اس لیے ان سے نہ لو گوں کو کچھ فائدہ ہو تا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں۔ (۵(

وہ مذہبی تعلیم میں بھی جدت کے قائل تھے۔کیونکہ مسیحی مبلغین کے مذہبی مناظروں کے سامنے مسلمان مدلل انداز میں اپنے مذہب کا دفاع کرنے میں دقت کا شکار تھے۔وہ اپنے عہد کی صورتِ حال پر تلخ مگر سچا تجزیہ کرتے ہو ئے لکھتے ہیں کہ:

"اہلِ مذہب کے لیے علم دین کسی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ خود اس کی ذات کی ذات کو ہر وقت اس کی احتیا ج ہے...۔مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل رائج ہے۔جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں وارد کیے جا تے ہیں ان کا جواب تو در کنار شاید ان کے سمجھنے کی بھی لیا قت نہیں ہے۔اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیا ت کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے"(۶)

سر سید احمد خان کو جدید تعلیم کی حمایت کرنے اور مغربی علوم کے فروغ کی بنیاد پر مسلمانوں کی کثیر جماعت کی طرف سے طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ مسلمان مردوں کی تعلیم کو مقصدِ حیات مانتے ہو ئے آگے بڑھتے رہے۔سر سید احمد خان کی تعلیمی کاوشیں مسلمانوں کے لیے کس قدر کارگر ثابت ہو ئیں اس سے ہر خاص و عام معترف ہے لیکن ان کے تعلیمی نظریات مرد اور خواتین دونوں کے لیے متضاد ہیں۔وہ اپنے دور کی توانا ترین آواز تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے محض رسوم و رواج کی پاسداری کی خاطر تعلیمِ نسواں کی مخالفت کی۔سر سید جیسا روشن خیال ادیب اور مفکر خواتین کے معاملے میں اپنے حریف اکبر الٰہ آبادی کے ہم خیال اور ہم پلہ نظر آتے ہیں۔بعض ناقدین سر سید کے اس عمل کو کسی مصلحت یا مفاہمت کی کڑی سمجھتے ہیں۔لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کسی ایک ہی معاشرے میں دو متصادم افکار کی پرورش کر کے بعد از اں ایک صحت مند معاشرے کا خواب بھی دیکھا جا سکے۔مردوں کاذہنی رویہ جدت کی طرف مائل اور خواتین محض پرانی قصہ کہانیوں کی کتابوں کی پروردہ سوچ کی حامل ہوں تو کیا معاشرہ عدم توازن کا شکار نہ ہو گا۔جب گھریلو معیاراتِ زندگی یکسر تبدیل ہو نے لگے تو خواتین کی تعلیم اور وقت کی ضرورت کے مطابق تربیت کوضروری سمجھا جانے لگا۔ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا الطاف حسین حالی بھی سر سید کے تتبع میں خواتین کی رسمی تعلیم کے خلاف اور بنیادی سوجھ بوجھ کی حامل گھریلو تعلیم کے حق میں تھے۔لیکن سر سید کے اپنے حلقے میں بھی آہستہ آہستہ تعلیمِ نسواں کے حق میں آوازیں اٹھنے لگی تھیں جن میں مولوی ممتاز علی اور شیخ عبداللہ نمایاں ہیں۔ان دونوں مفکرین نے خواتین کے حق میں نا صرف آواز اٹھائی بلکہ ان کے لیے تعلیم اور صحافت کے در بھی واکیے۔اولذکر کا کارنامہ ''تہذیب النسواں'' کی شکل میں اور مؤخرالذکر کا خواتین کی رسمی تعلیم ہے۔شیخ عبداللہ، تعلیمِ نسواں کی ذیل میں سر سید احمد خان کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"سر سید نے انگریزی تعلیم کی یہاں تک حمایت کی کہ دیسی زبانوں کی مخالفت بھی کی...اپنی آخر زندگی تک تمام کو شش انگریزی تعلیم کے لیے کرتے رہے۔ادھر تو لڑکوں کی انگریزی تعلیم کے لیے یہ کو شش تھی اُدھر لڑکیوں کے لیے ان کے سامنے انگریزی تعلیم کا نام لینا بھی دشوار تھا۔میں نے جب اور جس موقع پر بھی سر سید کی زبان سے تعلیم کے بارے میں آواز سنی اس میں لڑکیوں کے لیے انگریزی تعلیم کی مخالفت ہی سنی۔جیسے کہ ہمارے مو لوی صاحبان لڑکیوں کے لیے بھی انگریزی کی تعلیم کو کفر سمجھتے تھے ویسے ہی سر سید انگریزی تعلیم کو لڑکیوں کے لیے ان کی اخلاقی حالت کے لیے مضر سمجھتے تھے"(۷)

سر سید احمد خان نے تعلیمِ نسواں کے حوالے سے اپنی والدہ محترمہ کو قابلِ تقلید مثال سمجھتے تھے کہ جس طرح ان کی والدہ نے گھر کے اندر بیٹھ کر دین و دنیا کی تعلیم و تربیت حاصل کی وہی طرزِ تعلیم ایک بہترین ماں کے طور پر اپنایا جائے۔لیکن یہاں یہ بات کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق ایک اعلیٰ طبقے سے تھے جہاں شرفاء کے ہاں مدرس یا عالم، پردے کے التزام کے ساتھ تدریسی فرائض سر انجام دے سکتے تھے لیکن ایک عام متوسط یا نچلے طبقے کی خواتین اس قدر مہنگی تعلیم کی متحمل نہ ہو سکتی تھیں۔اس تناسب سے معاشرے کی چند خواتین تو تہذیبی تنوع اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بہتر طورپر نبھا سکتی تھیں لیکن عام عورت کے مسائل جوں کے توں موجود تھے۔جمہور اہلِ اسلام کے سامنے اپنی ایک تقریر میں جو 1884 ء میں خواتین پنجاب کے ایڈریس کے جواب میں کی اس میں لڑکیوں کے لیے جدید تعلیم کی مخالفت کی۔

"اے میری بہنوں! میں اپنی قوم کی خواتین کی تعلیم سے بے پرواہ نہیں ہوں۔میں دل سے ان کی ترقی کا خواہاں ہو ں۔مجھ کو جہان تک مخالفت ہے اس طریقہء تعلیم سے جس کے اختیار کرنے پر اس زمانہ کے کو تاہ اندیش مائل ہیں۔میں تمھیں نصیحت کرتا ہو ں کہ تم اپنا پرانا طریقہء تعلیم اختیار کرنے کی کو شش کرو۔وہی تمہارے لیے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا۔"(۸ (

اسی ایڈریس میں ایک حوالہ یوں آتا ہے کہ:

''اے میری بہنوں!تم یقین جا نو کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس میں مردوں کی حالت درست ہو نے سے پہلے عورتوں کی حالت درستی ہو گئی ہو...میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کو شش کرنا لڑکیو ں کی تعلیم کی جڑ ہے...پس جو خد مت میں تمہارے لڑکو ں کے لیے کرتا ہو ں درحقیقت وہ لڑکوں اور لڑ کیوں دونوں کی ہے۔میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم ان مقدس کتابوں کے بدلے جو تمہاری دادیاں نانیاں پڑ ھتی آئی ہیں اس زمانہ کی مروجہ نا مبارک کتابوں کا پڑ ھنا اختیار کرو جو اس زمانہ میں پھیلتی جا تی ہیں۔مردوں کو جو تمہارے لیے رو ٹی کما کر لا نے والے ہیں زمانے کی ضرورت پیش آ تی ہو مگر ان تبدیلیوں سے جو ضرورت تعلیم کے متعلق تم کو پہلے تھی اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہو ئی۔(۹(

سرسید احمد خان نے اخیر عمر تک خواتین کو صرف گھریلو اور ابتدائی اسلامی تعلیم تک محدود رکھنے کی حمایت کی۔شیخ عبداللہ اپنی معاصر صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''عورتوں میں زمانہ حال کی طرز کی تعلیم کا کہیں نام و نشاِن بھی نہیں تھا۔حتیٰ کہ سر سید احمد خان جیسے قوم کے رہنما نے بھی جدید تعلیم نسواں کی مخالفت کی اور اخیر تک مخالفت کرتے رہے۔"(۱۰) ڈارون کی تھیوری اورسائنسی نظریات کی حمایت کرنے والا دانشور، مدلل طرزِ فکر کو فروغ دینے والا سر سیدخواتین کے پردے کے نام پر استحصال کے خلاف آواز نہ اٹھا سکا۔

مسلم اشرافیہ میں تعلیم کے حق کی بڑی آ واز سر سید احمد خان کی تھی۔وہ مردوں کی تعلیم کی حق میں تو ضرور تھے تاہم وہ مغربی طرز کی سیکو لر تعلیم کو عورتو ں کی لیے زہرِ قاتل سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک عورتوں میں سماجی سوجھ بوجھ اور اخلاقی تربیت ہی کا فی تھی۔ اسی طرح نذیر احمد نے عورتوں کے لیے تعلیم کو اسی حد تک بہتر سمجھا کہ وہ پڑھ لکھ کر اچھی مائیں بن جا ئیں

اور بہتر گھر داری کر سکیں۔وہ بھی مغربی تعلیم کو عورتوں کے لیے برا سمجھتے تھے۔تنازع یہی تھا کہ پدر سری نظام اور روایتی تصورِ خا ندان کو کس طرح باقی رکھا جا سکتا ہے۔(۱۱(

اسی دور کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ خواتین کی تعلیم کی ضرورت دن بہ دن بڑھ رہی تھی، تہذیبی تصورات کا ڈھانچہ بدل رہا تھا اورنو آبادیاتی ہندوستان میں ’’سوال‘‘کی راہیں ہموار ہو رہی تھیں۔مردوں پر مغربی اثرات واضح تھے اس لیے اس تبدیلی کا گھروں کے اندر بیٹھی خواتین تک پہنچنا ایک فطری عمل تھا۔اس لیے خواتین نے اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا شروع کی۔تعلیمِ نسواں کے فروغ میں بیگماتِ بھو پال کا کردار بھی ایک روشن مثال ہے۔

حضرت نواب سلطان جہاں بیگم نے آل انڈیا محمڈن ایجو کیشنل کا نفرنس میں ببانگَ دہل اپنے خیا لات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

"حضرات!یہ ظاہر ہے کہ آج جو لڑکیاں ہیں وہی ایک دن آئندہ آنیوالی نسلوں کی مائیں ہوں گی۔اور یہی کمزور ہا تھ ہیں جو کل تمام قوم کی تربیت کے معاون ہوں گے۔لیکن کس قدرافسوس کی بات ہے کہ انہیں کی تعلیم اس وقت نہایت پست حالت میں ہے۔"(۱۲(

بیگماتِ بھوپال نے خواتین کی تعلیم میں نظریاتی اورعملی دونوں سطحوں پر نمایاں کردار ادا کیا۔انہوں نے اپنی ریاست کے تحت خواتین کے لیے کئی تعلیمی اداروں کا اجراء کیا بلکہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے پیشِ نظر نصابات بھی مرتب کیے۔ بدلتی ہو ئی سیاسی اور سماجی صورتِ حال میں پڑھی لکھی خواتین کی سیاسی عمل میں با قاعدہ شر کت کو ضروری سمجھا گیا۔قائد اعظم محمد علی جناح، تعلیم نسواں کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"We must also put emphasis on education of Muslim women because no nation can do anything great unless it takes its womanhood side by side with it towards the path of progress(13)"

مسلمانوں میں خواتین کی تعلیم کا رجحان غیر رسمی شکل میں تو موجود تھا لیکن باقاعدہ سکول میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔اس کے خارجی عوامل میں برہمنی ذہنیت کے تحت پروان چڑھنے والا وہ اجتماعی شعور بھی تھا جس میں نچلی ذات کے طبقات اور عورتوں کے لیے تعلیم ممنوع قرار دی گئی تھی۔دوسرا مسلم اشرافیہ میں پردے کا رواج تھا۔لیکن بنظرِ غائر اگر اس بر طانوی نظامِ تعلیم کا بھی جائزہ لیا جائے تو وہ خواتین کے لیے قائم کردہ اداروں کے نظام میں اور مسلم طرزِ فکر کے ساتھ مطابقت نہ رکھتا تھا۔مثلاََزنانہ مرد انسپکٹروں Inspection Teams سکولوں میں کاآنا، نصابِ تعلیم کامروجہ طور طریقوں سے متصادم ہو نا وغیرہ۔ خواتین کی تعلیم اور رسوم و رواج کا ٹکراؤ اس ادارے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن کر سا منے آیا۔لیکن علی گڑھ کی جدت پسندی نے اس دور کو منطقی اور حقیقت پسندانہ ذہنیت سے ہم آہنگ کیا تھا اس لیے جلد ہی تعلیمِ نسواں کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے، اس کے لیے عملی اقدامات کی طرف پیش بندی کی گئی۔یہی عمل بعد ازاں خواتین کو گھروں کی تواہم پرستانہ روش سے نکال کر سیاست جیسے اہم میدان تک لے آیا۔بیگم شائستہ اکرام اللہ جیسی خواتین سامنے آئیں جنہوں نے کیمبرج سے پی ایچ ڈی کرتے ہو ئے "پردے سے

پارلیمنٹ "تک کا سفر کیا۔خواتین کی مسلم لیگ ونگ کی صدارت فاطمہ جناح جیسی شخصیت نے سنبھالی، اور اس طرح کی مثالوں سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ بھری پڑی ہیجنھوں نے تعلیم سے خود کو ناصرف منوایا بلکہ قوموں کی تقدیر بدلنے میں بھی معاون ہو ئیں۔

حوالہ جات:

)۱(	رو بینہ سہگل، ڈاکٹر، ’’فیمی نزم اور پا کستان میں تحریکِ نسواں‘‘، مشمولہ سہ ماہی تجزیات، شمارہ ۸۳، اکتوبر دسمبر 2017ء۔اسلام آبادص ۷۴

)۲(	اپنے ایک مضمون میں سر سید احمد خان تعلیم کی اہمیت واضح کرتے ہو ئے لکھتے ہیں کہ:

’’میں سمجھتا ہو ں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چتکبرے سنگ مر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اس میں ہا تھ نہیں لگا تا اس کا دھوندلا اور کھردار پن دور نہیں کرتا۔اسکو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اسکو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔اس وقت تک اس کے جو ہر اسی میں چھپے رہتے ہیں اور اس کی خوش نما نسیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصور ت خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہو تے۔یہی حال انسان کی روح کا ہے۔انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہو تا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہو ئی ہوں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں، ظاہر نہیں ہو تیں۔

سر سید احمد خان، ’’تعلیم‘‘، مشمولہ تہذیب الاخلاق، مرتبہ منشی محمد فضل الدین، جلد دوم، فضل الدین تاجر کتب قومی، لاہور، 1895ء، ص۸۶۔۸۷

)۳(	1872ء میں سر سید احمد خان کی کاوشوں سے ’’خواستگار ترقی تعلیم مسلمان‘‘ کے نام سے قائم ہوئی۔جس کے تحت اس دور کے نامور ادیبوں اور دانشوروں سے مضامین لکھوائے گئے تھے۔کل پچیس مضامین میں سے صرف دو مضامین خواتین کی تعلیم سے متعلق لکھے گئے۔

)۴(	’’طریقہ تعلیم مسلمانان‘‘، مشمولہ تہذیب الاخلاق، مرتبہ منشی محمد فضل الدین، جلد دوم، فضل الدین تاجر کتب قومی، لاہور، 1895ء، ص ۴۹۶

)۵(	’’علومِ مفیدہ‘‘، مشمولہ تہذیب الاخلاق، ص ۴۶۷

)۶(	ایضاً

)۷(	شیخ محمد عبداللہ، ڈاکٹر، ترتیب و تہذیب اطہر صدیقی۔مشاہدات و تاثرات، نئی دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2015۔ص۲۹۶

)۸(	ایضاً، ص ۲۹۷

)۹(	ایضاً

)۱۰(	ایضاً، ص ۲۹۵

)۱۱(	رو بینہ سہگل، ڈاکٹر، ’’فیمی نزم اور پا کستان میں تحریکِ نسواں‘‘، ص ۷۵۔

(۱۲)	سلطان جہاں بیگم، بہ اجلاس پنجم، "آل انڈیا محمڈن ایجو کیشنل کانفرنس"، صیغۂ تعلیمِ نسواں، جلد ۷بابت ماہ دسمبر، مجلہ خاتون، علی گڑھ، 1911
(13)	Address to Muslim Students Federation Ali Garh,13 March 1944 https://sites.google.com/site/cabinetmissionplan/speeches-and-statements-by-jinnah-1943-1945

/....../